

کبھی یوں بھی آمیرے رو برو  
 فرحت نشاط مصطفیٰ  
 قسط نمبر ایک



"آپ پوری زندگی خولہ بنت حیدر کے ماموں بن رہے ہیں اور آج اگر آپ کو یاد آیا ہے کہ آپ شیٹ بن ہارون کے باپ ہیں تو اسکی وجہ بھی آپ کی بھانجی ہی ہے۔" سالوں سے اندر رکلتے لاؤے کو آج شیٹ بن ہارون نے باہر نکلنے کا راستہ دیا تھا۔ اس لاؤے کی شدت کی تاب ہارون صاحب نہیں لاسکے تھے سوانگی آواز کی گونج سے گھر کے درود یوار کا نپ اٹھے تھے۔

"ماموں!" خولہ کے لب پھٹ پھٹ کے رہ گئے۔ وہ اسٹڈی روم کے دروازے سے لگی کانپ رہی تھی۔

اس گھر کے مردوں کو اول تو غصہ آتا نہیں تھا اور جب آتا تھا تو یوں جیسے پر سکون ندی میں طغیانی آگئی ہو تو گھونٹ بھر سیرابی کیلئے پانی پیتی چڑیا کا خوفزدہ ہونا تو بتا ہی تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی، مجھے صرف ہاں یاناں میں جواب دو۔" وہ غضب ناک نگاہوں سے اسے گھورتے جواب مانگ رہے تھے۔ ایک باپ کے حق کے سے وہ شیٹ سے سوال کا جواب اپنا من پسند چاہتے تھے لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ وہ انکا اس درجہ تابع دار کبھی نہیں رہا تھا۔

"چچا! اتنے سال اولاد کی حق تلفی کرتے ہوئے بھانجی کے پیچھے وقت بر باد کرنے کا کیا فائدہ کہ کوئی شخص آج اس سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہے۔ اس میں قصور آپ کی پیچھو جان کی تربیت کا ہے یا آپ کی لاڈلی کی نحوسست کا۔" شیٹ بے خوفی سے کہہ رہا تھا۔ آج اتنے سالوں بعد اسے موقع ملا تھا تو وہ اسے یوں ہی تو نہیں جانے دے سکتا تھا۔

ہارون صاحب کا فشار خون بلند ہوا تھا۔

"بس!" انکا ہاتھ بے ساختہ ہی اٹھا تھا۔ خولہ نے سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں۔ شور کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ ماموں نے گھر کے پھوٹوں اور خاص کر شیٹ پہاٹھا اٹھایا ہو۔ آنکھوں کو یہ نظارہ دیکھنے کی عادت نہیں تھی سو آج بھی یہ منظر اسکی آنکھیں دیکھ نہیں سکی تھیں۔

شیٹ نے دیاں ہاتھ بائیں گال پہ ٹکاتے ہوئے پہلے گردن موڑ کے اس جانب دیکھا جہاں خولہ کا گلابی آنچل غالب ہوا تھا پھر ہارون صاحب کی جانب یوں دیکھا تھا جیسے وہ اس تھپٹ کی توقع رکھتا تھا اور اس توقع کو تمکیل تک پہنچانے والا اس کا باپ ہی تھا۔

"تم اس قابل ہی نہیں کہ تمہیں خولہ جیسی ہیر اصفت لڑکی کا ساتھ ملے۔ میں نے تمہاری بھلائی کا اس لئے سوچا تھا کہ گھر کی بجی گھر میں رہے ورنہ خولہ کو رشتہ کی کمی نہیں۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے، جاؤ اپنی ماں کے پاس اور سناؤ اسے اپنا کارنامہ ہو سکتا ہے وہ تمہیں پھولوں کے ہار بھی پہنادے۔" ہارون صاحب تنفس سے کہہ رہے تھے۔

اب خولہ کی مداخلت ناگزیر ہوئی تھی۔ گھر کا ماحول اسکی وجہ سے خراب ہوا سے یہ برداشت نہیں تھا۔

"ماموں جانی! پلیز۔" خولہ کہتے ہوئے آگے بڑھی تھی کہ شیٹ کے اگلے عمل نے ان دونوں کو ششدار کر کے رکھ دیا تھا۔ گرگٹ بھی کیا رنگ بدلتا ہو گا جتنی تیزی سے اس شخص نے بدلا تھا۔

"سوری بابا! میں خولہ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔" وہ انکے قدموں میں بیٹھا انکا من پسند اقرار کر رہا تھا۔

خولہ کی سیاہ آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔ اٹھتے قدم دروازے پہ ہی ٹھم گئے تھے۔ خود ہارون صاحب کو شیٹ سے اس یوڑن کی امید نہیں تھی جواب بھی اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"آپ سے بہتر میرے لئے کوئی نہیں سوچ سکتا بابا۔" وہ ملامت سے کہہ رہا تھا۔ خولہ نے اپنی پوری زندگی میں اسے پہلی بار اتنے زم لجھ میں بولے سناتھا۔

"اٹھو! یہاں میرے پاس بیٹھو۔ تمہیں اب کتنے دنوں بعد چھٹی مل سکتی ہے؟ میں چاہتا ہوں شادی جلد سے جلد ہو۔" وہ کچھ حاکمانہ اور کچھ کچھ جوش بھرے لجھ میں بولے تھے۔

خولہ کے گال تمنا نے لگے تھے۔ حالانکہ وہ دونوں تو اسکی سمت متوجہ بھی نہ تھے۔

"آپ ڈیٹ فکس کر لیجئے۔ اس سال کی چھٹی ابھی میری باقی ہے۔" وہی نرم فرمانبردار لجھ تھا۔ شیٹ بن ہارون ریخبرز کا حصہ تھا۔ وہ انسپکٹر کے عہدے پہ فائز تھا۔ ریخبرز میں سال میں دو ماہ کی چھٹی ہوتی ہے اور اکثر جوان یہ چھٹی گھر لیو معاملات کے حساب سے لیتے ہیں۔

"ٹھیک ہے! تو اس مہینے کا آخر کیسار ہے گا؟" ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کا عملی نمونہ بننے ہوئے تھے اس وقت ہارون صاحب۔

شیٹ نے آگے سے کیا جواب دیا؟ خولہ اسکا جواب سننے کیلئے وہاں نہیں ٹھہری تھی۔

شیث بن ہارون اس سے شادی کر رہا تھا۔ خولہ بنت حیدر کیلئے اس صدی کی سب سے حرمت انگیز اطلاع تھی۔

"میرا بیٹا تو کسی کرموں والی کو ملے گا۔" اسے شاستہ ممانتی کے الفاظ یاد آئے تھے۔

"تو کیا میں اتنی خوش نصیب ہوں؟" آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے اس نے سوچا تھا۔

"اے! یہ تو ہے ہی سبز قدم پیدا ہوئی تو باب گزر گیا۔ ہمارے گھر آئی تو میرے بھائی کو کھا گئی۔ ہائے! رائمه، نامہ مجھ سے لکھوں جو جانی میں بھی یہ سبز قدم کوئی خوست پھیلائے گی۔" شاستہ ممانتی اکثر ہی اپنی دونوں بیٹیوں کو یہ سب یاد کرواتی تھیں اور اس دن تولازمی ہی جس دن رائمه یا نامہ میں سے کوئی ایک ہنس کے اس سے بات کر لیتا اور یہ بات ہمیشہ گھر کے مردوں اور خولہ کی ماں کی غیر موجودگی میں کی جاتی تھی۔

ماموں کے تین بچے تھے۔ بڑا شیث پھر رائمه، نامہ جو دونوں جڑواں تھیں اور عمر میں خولہ سے چھوٹی تھیں۔

خولہ بنت حیدر کی سہیلیاں اسے رٹک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں کہ والد کے نہ ہوتے ہوئے بھی وہ کس قدر لاڈپیار سے پل رہی تھی۔ دنیا کی ہر آسائش اسے میسر تھی۔ ماموں نے باپ جیسی شفقت دی تھی اور ماں نے دنیا کی ہر آسائش دینے کی کوشش کی تھی۔

یہ تو قبر کے مردے کی طرح صرف اسے ہی معلوم تھا کہ ایک شخص کی بے تحاشہ محبت سمیٹتے ہوئے خولہ بنت حیدر اسی شخص کی شریک حیات کی نفرت کی اکلوتی وارث ٹھہری تھی اور نفر توں کے یہ سلسلے ماموں کی اولاد کی شکل میں مزید طویل ہوئے تھے لیکن اب جیسے یہ سلسلہ ختم ہونے کو تھا کیونکہ دنیا کا سب سے بیزار رہنے والا بسا کا شریک حیات بننے جا رہا تھا۔

اور شریک حیات سے نفرت تو نہیں کی جاتی، اس سے تو محبت کے سوتے نکاح کے دو بولوں کے ساتھ ہی پھوٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ بیزاری کا سلسلہ مزید طویل ہونا تھا ایسا اختتام پذیر ہونا تھا وہ نہیں جانتی تھی لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ وہ ماموں جانی کو کبھی نہ نہیں کر سکتی۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے شیث بن ہارون کی دلہن بننا ہے تو وہ بننے کو تیار تھی۔

\*\*\*\*\*

صفیہ خاتون ہارون احمد کی بڑی بہن تھیں اور انہوں نے ہر طرح سے بہن ہونے کا حق ادا کیا تھا۔

بہنیں عمر میں چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں بھائیوں کیلئے انکے دل میں موجود محبت میں ممتاز کا احساس ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

دونوں بہن بھائی کی محبت بے مثال تھی۔ صفیہ سرکاری ملازمت کرتی تھیں اور انکی شادی بھی سرکاری ملازمت کرنے والے حیدر سے ہوئی تھی۔ صفیہ کی تنخواہ کا ایک بڑا حصہ میکے کو سپورٹ کرنے میں خرچ ہوتا تھا جہاں میکے کے نام پر انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھتا بھائی اور بیمار ماں تھی۔ حیدر نے کبھی صفیہ کو منع نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود بھی مالی معاونت کیا کرتے تھے۔ گھر کے اپنے سوخرے تھے جن میں

سرفہرست گھر کا کرایہ تھا۔ صفیہ اور ہارون دونوں ہی ذہین تھے، غربت کے باوجود اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ انہیں اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا انکے والدین کی خواہش تھی۔ صفیہ کی کشتی تو کنارے پر لگ چکی تھی لیکن ہارون ابھی تک منجد ہار میں تھا۔

وہ نجیب نگ کر کے فارغ ہوا تو اسکی نوکری لگتے ہی صفیہ نے ہارون کے سرپہ سہر اسجا یا تھا۔ انہیں بھائی کی شادی کا بہت ارمان تھا اور دوسراب انکے میکے میں ایک متحرک نسوانی وجود کی بھی ضرورت تھی جس کی کمی یو نہی پوری ہو سکتی تھی۔ ارمان تو خیر اولاد کا بھی بہت تھا لیکن ابھی تک ان کی گود ہری نہیں ہوئی تھی۔

ہارون کے گھر بچے کی پیدائش ہوئی تو اس نے بیٹا صفیہ کی گود میں دے دیا تھا کہ یہ آپ کی اولاد ہے۔ آپ اسے پالیں۔ شاستہ کارنگ پیلا پڑ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اسے لگا تھا کہ بیٹا ہوتے ہی شوہر مٹھی میں آجائے گا لیکن یہاں شوہر مٹھی میں کیا خاک آتا الٹا وہ انکی گود خالی کر رہا تھا۔

حالانکہ ہارون ایک بہترین شوہر تھے لیکن اس کا کیا ہو کہ شاستہ کو بھائی بہن کی محبت کا نٹ کی طرح چھپتی تھی۔

"اللہ اسے سلامت رکھے۔ ہارون! یہ تمہاری اولاد ہے۔ اس سے خاندان کا نام آگے بڑھے گا۔ ہمارے نصیب میں ہوئی تو اللہ میری جھولی بھی بھر دے گا۔" صفیہ شاستہ کے چہرے پہ پھیلتا کرب دیکھ چکی تھیں۔ وہ عورت تھیں، دوسری عورت کے احساس بھی سمجھتی تھیں اور یہ بھی چاہتی تھیں کہ انکے میکے میں رونق رہے اور یہ رونق بچوں کے ہی تودم سے ہوتی ہے۔

شیش جب دوسال کا ہوا تو صفیہ کے گھر بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی لیکن وہ کہتے ہیں نہ کہ ایک نیا جو د جس وقت آتا ہے تو اسی وقت میں کسی وجود کا اس دنیا سے جانا بھی طے ہوتا ہے۔ بیٹی کی پیدائش کے کچھ دن بعد ہی حیدر صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں جان کی بازی ہار گئے تھے۔ ہارون صاحب بہن اور بھانجی کو گھر لے آئے تھے شاستہ بیگم جو ابھی شکر ادا کر کے بیٹھی تھیں کہ ساس کا کاشان کلااب نند سرپہ آ کے بیٹھ گئی تھی وہ بھی ایک بچی کے ساتھ، اپنی راجدھانی میں یہ شراکت انہیں برداشت نہیں ہوئی تھی۔ ابھی سال بھر پہلے تو انہوں نے اپنا زادتی گھر بنایا تھا۔

صفیہ جہاندیدہ خاتون تھیں اشاستہ کے تیور اور نادیدہ شکنیں جو ہارون کی غیر موجودگی میں کوئی بھی دیدی پیناد کیا لیتا۔ انہیں بھی دکھ چکی تھیں۔ عدت ختم ہوتے ہی انہوں نے شوہر کی پسندش اور خود قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کے ملنے والے پیسے کو جوڑ کے اوپر پورشن بنوانے کے ساتھ انہوں نے ہارون صاحب کے گھر کے برابر میں ایک خالی پلاٹ خرید کے اسکول کی عمارت بنوائی تھی۔

رہائش اور روزگار دونوں کے ہی اسباب پیدا کر لئے تھے۔ آنے جانے کا راستہ بھی الگ تھا یعنی وہ ہارون کے گھر میں رہ کے بھی نہیں رہ رہی تھیں۔

"آپا کو کرایہ تو دینا چاہئے۔" ایک دن شاشستہ کے منہ سے نکل گیا تھا۔ ہارون نے اس بات پر بے نقط سنائی تھیں شاشستہ کو۔

"یہ جو تم انجینر شوہر کی بیوی پر گردان اکڑائے گھومتی ہونا اسکے پیچھے سارا ہاتھ صفیہ آپا کا ہے۔ اگر انہیں اس گھر میں رہنے کا کرایہ دینا چاہئے تو پھر میری تعلیم پر خرچ ہوئی انکی ایک ایک پائی بھی لوٹانی چاہئے۔ اب سے میری پوری تنخواہ آپا کے ہاتھ میں ہو گی جب تک انکا سارا قرض نہیں اتر جاتا۔" انہوں نے نہی خولہ کو گود میں لیتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا تھا۔

شاشستہ کو تو الٹی آنتیں گلے پڑی تھیں۔ چت کے چکر میں پٹ سے بھی گئی تھیں۔

"سوری ہارون! میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ اوپر والے پورشن پر تو آپا کا ہی سارا اپیسہ لگا ہے۔ میں تو یوں ہی بول بیٹھی تھی۔" شاشستہ نے کس مشکل سے انکا غصہ کم کیا تھا، ہی جانتی تھیں۔

ہارون صاحب خولہ کو لے کے اوپر آپا کے پاس چلے گئے تھے۔

"تم لوگوں نے دیکھا وہ عورت تمہارے باپ کو مجھ سے چھیننے کے بعد اب تمہارے باپ کا گھر بھی ہم سے چھیننا چاہتی ہے۔ میری اولاد تو دکھائی دیتی نہیں اور اس سبز قدم کو سینے سے لگائے گھومتے ہیں۔" چار سالہ شیٹ کو سینے سے لگاتے ہوئے جھولے میں لیٹی جڑواں بیٹیوں کو دیکھتے ہوئے شاشستہ نے دکھ کہا بھی تو کس سے، وہ بچہ تھامں کی بات نہیں سمجھ سکا تو کیا ہوا لیکن ماں کے آنسو اس سے برداشت نہیں ہوئے تھے۔ اپنے نئے نئے ہاتھوں سے انکے آنسو صاف کرتے ہوئے شیٹ نے پوچھا تھا۔ "یہ سبز قدم کون ہے امی؟"

"خولہ!"

"سبز قدم کیا ہوتا ہے؟" شیٹ کا ایک اور سوال تھا۔ شاید وہ خولہ سے نفرت کے نیچ کو پروان چڑھانے کیلئے وضاحت کی کھاد چاہتا تھا۔  
"جو منہوس ہو، جس کی وجہ سے سب روئیں۔" شاشستہ نے کھولن کی راکھ کو اس نیچ کی کھاد بنایا تھا۔

"خولہ کی وجہ سے امی روئی ہیں۔ وہ سبز قدم ہیں۔" نفرت کا یہ پہلا سبق شیٹ بن حیدر نے ماں کی گود میں سیکھا تھا اور پہلا سبق بھلانے نہیں بھولتا۔

وہ نیچ جو چار سال کی عمر میں شاشستہ نے اسکے دل کی سر زمین پر بویا تھا چوبیس سال کی عمر کو پہنچنے تک وہ نیچ تناور درخت بن چکا تھا، ایک ایسا درخت جو کسی کو سایہ نہیں دیتا، اس پر کوئی پھول نہیں لگتا اس کی کوکھ سے کوئی پھل نہیں ملتا۔

آپ نے سرو کا درخت دیکھا ہے؟ نفرت بھی سرو کے درخت کی مانند ہوتی ہے۔ بے شر، بے فیض بس اناکا بوجھ اٹھائے کھڑی رہتی ہے۔

اور شیث بن حیدر سرو کی مانند یہ بوجھ لئے کھڑا تھا۔

اور یہ سلسلہ یہاں پہ آ کے ٹھہرا نہیں تھا۔ وقار فتو قاؤہ اپنے بچوں کی برین واشنگ کرتی رہتی تھیں، شیث کا تو اسکول بھی سب سے الگ رکھا تھا کچھ وہ تھا بھی چپ شاہ مزان جٹاپ کا اور کچھ ماں کی باتوں نے اسے بے حد خاموش کر دیا تھا۔

نتیجہ ان کمزور کے درمیان وہ بونڈنگ نہیں تھی جو عموماً جوانٹ فیملی سسٹم میں رہنے والوں کے درمیان ہوتی ہے۔

شیث بن ہارون نے اپنی زندگی کا پہلا فیصلہ جس دن کیا ہارون صاحب کو اس دن معلوم ہوا کہ انکا بیٹا انکے قد سے بڑا اور حد سے آگے نکل گیا ہے۔

وہ چاہتے تھے شیث بزنس میں کوئی اچھی ڈگری لے لیکن گریجویشن کے بعد شیث نے سندھ ریجنرز میں اپلائی کر دیا۔ ہارون صاحب کو اس نے سلیکشن کے بعد ہی بتایا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ میں سلیکٹ ہوں گا بھی یا نہیں۔ اس لئے آپ کو پہلے نہیں بتایا۔" انکے کچھ کہنے سے پہلے ہی شیث نے انہیں جواب دے دیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی ٹریننگ پر جانے کی، ڈگری مکمل کرو اپنی۔" ہارون صاحب نے صاف منع کیا تھا۔

"جاب کے ساتھ پڑھائی بھی ہو سکتی ہے۔" شیث نے دو ٹوک انداز میں اپنا جواب دیا تھا۔

"جب تم خود فیصلہ کر ہی چکے ہو تو بتانے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" ہارون صاحب کو بیٹھ کر ایسا انداز اچھا نہیں لگا تھا۔  
"تھی! کیونکہ آپ والد صاحب ہیں میرے۔" شیث اب کی بارتئے ہوئے انداز میں کہتا ٹھہرا نہیں تھا۔

"دیکھا تم نے کتنا خود سر ہو گیا ہے۔ باپ کو باپ ہونا یاد دلار ہا ہے۔" شیث کے جانے کے بعد وہ شاکستہ سے مخاطب ہوئے تھے۔

"میں کیا بولوں؟ لڑکے باپ سے ہی دبتے ہیں، ماں کو تو وہ ویسے ہی کچھ نہیں سمجھتے۔ آپ بھی تو کبھی اس سے قریب نہیں رہے، دوسروں میں ہی لگے رہے۔" شاکستہ کو آج موقع ملا تو انہوں نے طعنہ مارنے میں دیر نہیں کی تھی۔

"واٹ! کون دوسرا؟" ہارون صاحب کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

"ظاہر ہے ہمارے دوسرا نے پچ۔" شاکستہ نے جلدی سے بات بنائی تھی۔

"میں آپ کے پاس جا رہوں۔ شیٹ سے کہنا وہ بھی ان سے ملنے کی زحمت کر لے۔" ہارون صاحب کہہ کے اوپر والے پورشن کی سمت بڑھ گئے تھے۔

"جائیں! جائیں! آخر کو آپ کو بھی تور پورٹ دینی ہے۔ مجال ہے جو اس گھر میں پتہ بھی ہے اور اسکی خبر آپ کو نہ ہو۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اب آپ ایگم میرے بیٹے کو کیسے آگے بڑھتا دیکھ سکتی ہیں یقیناً روڑے اٹکائیں گی۔" شائستہ بر تن پختی رہ گئی تھیں۔ یہ خواہ مخواہ کے یہر یوں نہیں زہر بنانے کرتے ہیں۔

\*\*\*\*\*

شائستہ نے جیسا سوچا تھا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ اللاصفیہ نے حمایت کی تھی۔

"لڑکے جتنی جلدی اپنے قدموں میں کھڑے ہو جائیں اچھا ہے۔ شیٹ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے پڑھائی تو جاب کے ساتھ ہو جاتی ہے۔" صفیہ نے رسان سے کہا تھا۔

"پر آپ فور سز کی جاب میں ابسا نہیں ہوتا۔" ہارون صاحب نے اختلاف کیا تھا۔

"اس نے کچھ سوچ کے ہی یہ فیصلہ لیا ہو گا۔ بنس پڑھ کے بھی تو نو کری ہی کرنی تھی نہ اس نے، تو اب بھی وہی کر رہا ہے۔ مت رو کو! آج اسکی کی ایک مان لو، جوان خون ہے کل کو اپنی کوئی بات منوالینا۔" صفیہ نے انہیں ہر زاویے سے سمجھا دیا تھا۔

اسکے بعد ہارون صاحب شیٹ کے بھرتی ہونے پر کچھ نہیں بولے تھے۔ ہاں شائستہ نے اپنے انداز میں شیٹ کو پھپھو کی باتوں کی خردے دی تھی۔

"آج کل نو کریاں ویسے ہی نہیں، سر کاری نو کری کرنے والوں کو توسیب سر پہ بٹھاتے ہیں اور سے سونے پر سہاگہ فور سز کی نو کری، تمہاری پھپھو کو اس میں اپنا ہی فائدہ دکھ رہا ہے۔ کل کو بیٹی بھی تو بیا ہنی ہے۔" شائستہ نے ایک تیر سے دو شکار کئے تھے۔ "انکی بیٹی کی شادی سے میرا کیا واسطہ؟" شیٹ نے تعجب سے پوچھا تھا۔

"تمہارے ابا کا کیا اعتبار کل کو کہیں خولہ سے شادی کرو تو کیا کر لیں گے میں اور تم۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے بغور شیٹ کے تاثرات نوٹ کئے تھے۔

"نہیں! میں خولہ سے شادی کبھی نہیں کروں گا۔ میری ذات ان ماں بیٹیوں کی خوشیوں کی وجہ کبھی نہیں بنے گی۔" شیٹ نے سختی سے دو ٹوک انکار کیا تھا۔

شائستہ بیٹے کے منہ سے اپنا من پسند جواب سن کے آسودگی سے مسکرائی تھیں۔ سیانے ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ بیٹوں کے قدبادپ سے اوپر ہو جائیں تو وہ ماوں کی ڈھال بن جایا کرتے ہیں۔ شائستہ کیلئے بھی شیث بن ہارون وہی ڈھال تھا جس سے انہوں نے آگے کی چالیں چلنی تھیں۔

\* \* \* \* \*

خولہ فائل ایئر کے ایگزامزدے کے جیسے ہی فری ہوئی تھی اس نے فوراً اسکول جوانئ کر لیا تھا۔  
ویسے تو وہ ایف ایس سی کے بعد سے ہی اسکول کے معاملات میں حصہ لینے لگی تھی لیکن اس بار صفیہ نے اسے ہائر سینڈری سیکشن کی ذمہ داری دی تھی تاکہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی حاصل کرے۔ انکے اسکول کی ایک ساکھ تھی جس کے پیچے یقیناً صفیہ کی محنت شامل تھی اور اب اسی ساکھ کو خولہ نے برقرار رکھنا تھا۔

خولہ کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ جاب کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اسکول اپنا ہی تھا لہذا اب صفیہ کو اس کی شادی کی فکر تھی کہ اب خولہ اپنے گھر کی ہو جائے، انکی زندگی کا کیا اعتبار جیسے حیدر ان دونوں کو چھوڑ کے چلے گئے تھے کل کو وہ بھی جاسکتی تھیں لہذا انہوں نے ہارون سے اس بات کا تذکرہ کیا تھا۔

"آپ اشیث کے ہوتے ہوئے باہر رشتہ دیکھنے کا آپ نے سوچا بھی کیسے۔" ہارون نے شکوہ کیا تھا۔  
"لیکن کیا شیث راضی ہو گا؟" صفیہ کی تنوخ دیہ خواہش تھی لیکن شیث کی رضامندی بھی ضروری تھی۔  
"کیوں نہیں ہو گا؟ ہماری خولہ میں کیا کمی ہے؟ گھر کی بیچی ہے، اچھی بات ہے گھر میں ہی رہے۔ میں شیث سے بات کر کے جلد ہی آپ کو خوشخبری سناؤں گا۔" ہارون نے انہیں پوری تسلی دی تھی۔

انہیں یقین تھا کہ شیث مان جائے گا لیکن انکے بات کرنے پر جو کچھ شیث نے کہا وہ نہ صرف انہوں نے بلکہ خولہ نے بھی ساتھا لیکن باپ باب ہی ہوتا ہے۔ اس ایک تھپڑ کے بعد شیث کے راضی ہو جانے پر ہارون صاحب کو یقین آگیا تھا۔  
یہ جانے بناؤ کہ انہوں نے کون سے طوفان کو اپنے آشیانے کا راستہ دکھایا ہے۔

\* \* \* \* \*

"تم اس سے شادی کرو گے۔ اس لڑکی سے جو میرے گھر کا چلتا پھرتا آسیب ہے۔ وہ سبز قدم اب میرے بیٹے پر گھات لگائے بیٹھی ہے۔ یہ میں ہونے نہیں دوں گی۔ ساری زندگی تمہاری پچھوئے اسکی اولاد نے میرا خون جلایا ہے، میرا دل دکھایا ہے اور تم انہی لوگوں سے نئے رشتے بنانے لگے ہو۔ میرے دکھ، میرے آنسو بھول گئے تم۔" شاستہ بیگم نے جب سے سنا تھا شیش نے خولہ سے شادی کیلئے رضامندی دے دی تھی تب سے وہ جیسے انگاروں پر لوٹ رہی تھیں۔

شاستہ میں بس مطلب کی حد تک ہی شاشتگی تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھیں جنہیں سرالی رشتے دار کا نئے کی مانند چھتے ہیں۔ وہ جب سے بیاہ کے ہارون کی زندگی میں آئی تھیں گھر سے لے کے گھر والے تک سب پر صفیہ آپا کی چھاپ لگی دیکھی تھی۔ ہارون ان سے زیادہ صفیہ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اشاستہ کا دل یہیں سے کھٹا ہونا شروع ہوا اور آہستہ آہستہ تو جیسے ساری لسی کھٹپڑی کی تھی۔

"کچھ نہیں بھولا میں، مجھے سب یاد ہے امی۔ آپ کے ایک ایک آنسوؤں کا حساب ہو گا۔ آپ کے دکھ کی دوا ہو گی۔ آپ فکر نہ کیجئے اور آپ کی بہو نہیں بے دام غلام ہو گی۔ آپ کو حق ہو گا جیسا چاہے اسکے ساتھ سلوک کریں، پچھوکی بیٹی ہمارے گھر میں ہو گی پھر جیسے چاہیں آپ ان سے حساب لیں۔" شیش اپنے مضبوط ہاتھ کی انگلیوں سے انکے گالوں کی نمی پوچھتے ہوئے، تسلی کے بول بھی ادا کر رہا تھا۔ وہ تسلی کے بول جو کسی کی زندگی اجاڑنے والے تھے۔

پر یہ زندگی ہے جس کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ یہاں ہر سوچی گئی بات میں عمل کے رنگ نہیں بھرے جاسکتے اس لئے تقدیر اس کے لفظوں پر مسکرائی تھی اور کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی خولہ کے خوش رنگ احساسات کسی ست رنگ بلبلے کی مانند ہو ایں تخلیل ہو کے رہ گئے تھے۔

"تو یہ وجہ تھی تمہاری رضامندی کی۔" خولہ کی نگاہوں میں امی، ماموں کے چہرے گھوم گئے تھے۔

ابھی وہ انکے پاس سے ہی تو آرہی تھی، دونوں سر جوڑے بیٹھے شادی پر ہونے والے اخراجات کا تخمینہ لگا رہے تھے۔ ماموں نے ہی اسے کہا تھا کہ وہ شاستہ کو بھی انکے پاس بھیج دے، اس لئے وہ آئی تھی اور آتے ہوئے اسکی آنکھوں میں کتنے خوش کن اپنے تھے، امی کتنا خوش تھیں، خولہ نے انکے چہرے پر حقیقی خوشی دیکھی تھی جو کبھی کبھی اپنارنگ دکھاتی تھی۔

شہر کے بعد عورت صرف اپنی اولاد کیلئے ہی جیتی ہے۔ اسکی کامیابیوں پر مسکراتی اور اسکی خوشیوں پر، ہی پورے دل سے خوش ہوتی ہے۔ صفائی بھی انہی میں سے تھیں جن کی کل کائنات انکی اولاد ہی تھی۔

"ساری زندگی کے رونے سے بہتر ہے کہ ایک ہی دفعہ رو لیا جائے اور شیث بن ہارون تم دنیا کے آخری مرد نہیں ہو سو تمہاری خواہش افسوس تشنہ ہی رہے گی کیونکہ رقبت کی آگ میں جلنے والوں کے نصیب میں کندن نہیں تشنہ ہونا لکھا ہے۔" خولہ نے گالوں پر آئی نمی انگلی کے پوروں سے صاف کرتے ہوئے سوچا تھا۔

شام ڈھلنے کو تھی اور خولہ کے آنسو خشک ہو چکے تھے کہ انہیں خشک ہونا ہی تھا۔ جب آپ کسی کی اذیث کا باعث ہی نہیں تو پھر آپ کی آنکھوں میں دکھ کے آنسو بھی نہیں ہونے چاہئیں۔

وہ کب سے اپنے پورشن کی بیر و نی سیڑھیوں پر یوں ہی بیٹھی ڈھلتی شام کا منظر بے تو جہی سے دیکھ رہی تھی جب اسکے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی۔

"شیث! اسکے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

وہ شاید کہیں باہر جانے کو داخلي گیٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"شیث! ارکنے مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" خولہ سرعت سے اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

شیث نے گردن موڑ کے پہلے آواز کی سمت میں دیکھا پھر خولہ کو اپنی جانب آتے دیکھ کے وہیں ٹھہرا تھا۔

"کہو!" موسم سرد نہیں تھا لیکن شیث بن ہارون کا الجہہ ٹھنڈا ہی تھا اور خولہ بنت حیدر کو آج معلوم ہوا تھا کہ وہ ٹھنڈ نفرت کی تھی۔

خولہ نے ایک نگاہ اس کے سر اپے پہ ڈالی تھی۔ ڈارک بلیو جینز پہ ہاف سلیووز کی گرے شرٹ پہنے اسکے کسرتی بازو جھلک رہے تھے۔ نفاست سے ترشے ہوئے بال جیل سے جمائے گئے تھے۔ صحمند ورزشی جسم، صاف رنگت اور خولہ ہی کی طرح سیاہ گھور کالی آنکھیں بس ان میں گلابی پن کی سرسری سی جھلک تھی۔

"مجھ پر ریس رچ ہو گئی ہو تو بولو جو بولنا ہے۔" وہی از لی زمانے بھر کی بیزاری لبھے میں سموئے، بائیں ہاتھ کی کلاں میں بندھی رست و اچ کو دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔ وہ اسکا رتکا ز محسوس کر چکا تھا اس لئے مزید کوفت زدہ ہوا تھا۔

خولہ کے ار تکاز پہ سلوٹ پڑی تھی۔

"آپ مجھ سے شادی کیوں کر رہے ہیں؟" خولہ نے بازو سامنے باندھتے ہوئے، اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے سوال کیا تھا۔

"شادی کیوں کرتے ہیں؟" جواب ابیث نے اسی کی طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے خولہ سے سوال کیا تھا۔ بس فرق اتنا تھا کہ خولہ کے سوال میں اگر سنجیدگی تھی تو ابیث بن ہارون کے لمحے میں بے باکی اور تفہیم سی محسوس ہوئی تھی خولہ کو۔ "یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" خولہ نے دانت پر دانت جما کے کہا تھا۔

"محترمہ! میں تمہارے اسکول میں پڑھنے والا کوئی اسٹوڈنٹ نہیں جو تمہارے سوالوں کے جواب دینے کا پابند رہوں۔" ابیث اجنبیت سے کہہ کے پلٹ گیا تھا۔

"سوال ضروری نہیں اسٹوڈنٹ سے ہی ہوں، ہر وہ شخص سے جس سے انسان کا تعلق ہوتا ہے، اسے سوالات کا سامنا کرنا ہی ہوتا ہے۔" خولہ نے اسکی غلط فہمی دور کی تھی۔

"تمہارے فلسے سننے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔ دروازہ بند کرو اور چپ چاپ جا کے اندر بیٹھو۔" ابیث اب کے اکھڑپن سے بولا تھا۔ خولہ کی پیشانی پر ٹکن ابھری تھی۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ مجھ سے شادی کیوں کر رہے ہیں اور اب میں یہ بات ماموں کو بھی بتا دوں گی۔" خولہ کی برداشت کی بھی حد ہو گئی تھی۔

شیث کا ایک پاؤں اندر اور دوسرے باہر ہی جمارہ گیا تھا۔ وہ سینٹ کے ہزارویں حصے میں اسکی جانب پلٹا تھا۔ "تم! تم ذرا ادھر آؤ۔" شیث نے کھلا دروازہ دھاڑ سے بند کر کے اسے ہاتھ سے تھام کے اندر کی جانب کھینچا تھا۔ جاری ہے